DARYAFT: ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 15, Issue 01,(June 2023): DOI #

ڈاکٹر وجیہہ شاہین
ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد
ڈاکٹر قمر عباس
اسسٹنٹ پروفیسر اردو (جزوقتی)، این سی بی اے اینڈ ای، ملتان کیمپس

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی نظم نگاری

Dr. Wajeeha Shaheen
Higher Education Commission, Islamabad
Dr. Qamar Abbas
Assistant Professor Urdu (visiting), NCBA&E, Multan Campus

Dr. Tahir Taunsvi's Composition of Poems

ABSTRACT

Dr. Tahir Taunsvi is a distinguished researcher, critic and poet of Urdu language and literature. The most important aspect of his literary work is based on research and criticism. He made useful contributions in the field of Urdu poetry as well. His poetry book "تو۔۔طے ہوانا" was published by "Bazam e Elam o Fun Pakistan" in 2001 AD. This book consists of impressive poems, poetics (غزلیات), "Hamd", "Naat", "Manqabat" and "Slaam". His poems connect the readers to the tradition of Urdu poetry. It also reflects the modern themes and style. In his poems he expresses great love for Prophet Muhammad (PBUH), his sacred family and Islamic culture. His poems also reflect the themes of love, great human values and historical consciousness. In this article, the author has presented a brief evaluation of his poetry with reference to his poems.

Keywords: *Distinguished, Critics, Poetics, Traditions, culture,*

شاعری اپنے عہد سے مکمل آگہی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ غزل کی بہ نسبت نظم میں شاعر اپنی بات کو قاری اور سامع تک بہتر انداز میں پہنچا سکتا ہے۔ اسکی ایک وجہ غزل میں ہیئت کی پابندی اور ردیف قافیہ کا التزام ہے جو شاعر کو محدود کرتا ہے۔ اس کے برعکس نظم اس طور کی پابندی سے آزاد ہے۔ نظم میں شاعر اپنے جذبے اور احساس کو براہ راست بیان کر سکتا ہے جبکہ غزل میں اسے اس طرح کی سہولت نہیں ہوتی اور ردیف قافیہ کی پابندی شاعرانہ جذبات کے اظہار میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ غزل کے موضوعات عمومی طور پر عشقیہ ہوتے ہیں اور اس میں ایک خاص طرح کی رومانوی فضا بنتی ہے۔ اس کے برعکس نظم کا ایک موضوع سماج بھی ہے اور شایدیہی وجہ ہے کہ

Received: 13th Feb, 2023 | Accepted: 10th June, 2023 | Available Online: 30th June, 2023

DARYAFT, Department of Urdu Language & Literature, NUML, Islamabad.
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

نظم نے انتہائی تیزی کے ساتھ اردو ادب میں اپنی جڑوں کو مضبوط کیا ہے۔ اور اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوا ہے۔ گو غزل میں اشعار کی انفرادی حیثیت ایک طرح کی آزادی ہے لیکن کلی طور پر غزل کے قالب میں وہ سہولت اور آسانی نہیں جو نظم کی ہیئت میں شاعر کو حاصل ہوتی ہے۔ غزل کے خاص موضوعات ہجر و وصال، گل و بلبل، عاشق و معشوق، غمِ جاناں اور غمِ دوراں وغیرہ ہیں لیکن یہ کلی حالات نہیں جبکہ نظم کے موضوعات انتہائی وسعت کے حامل ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نظم سماجی اور معاشرتی زندگی کے تمام موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تحقیقی اور تنقیدی نگارشات کا بغور مطالعہ کریں تو اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ فطری طور پر تخلیقی ذہن رکھتے ہیں اور شاعری اُنکی شخصیت میں داخل ہے۔ ان کے جملوں میں شعری اور رومانی رنگ اُن کی تنقید کو شاعری کے قریب تر کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ اور انہوں نے سکول کے زمانے سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ بقول ڈاکٹر طاہر تونسوی:

> ”جہاں تک میری ادبی زندگی کے آغاز کا تعلق ہے تو میں نے سکول کے زمانے ہی سے لکھنے پڑھنے کی جانب توجہ کی۔ پہلے شاعری کی اور استاد فیض تونسوی سے اصلاح لی بعد میں کالج میں اساتذہ کی بنا پر یہ شوق پروان چڑھا۔ مطالعہ نے لکھنے کی طرف راغب کیا اور یہ سفر اب تک جاری ہے۔ جہاں تک کسی سے متاثر ہونے کا تعلق ہے تو میں نے کئی بار اس کا اعتراف کیا ہے کہ رفیق خاور جسکانی، عرش صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا جیسے دانشوروں نے میری ادبی تربیت کی ہے اور مجھے اس ہنر سے آشنا کیا ہے۔ باقی میرا شوق اور میری محنت مجھے منزل کا راستہ دکھاتے رہے ہیں۔“(۱)

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اپنے ذہنی میلان اور اپنے محبوب استاد ڈاکٹر سلیم اختر کی ترغیب کے سبب شاعری کی نسبت نثر پر توجہ زیادہ کی۔ اس طرح انکی نثر کو شاعری پر فوقیت تو حاصل ہوگئی لیکن انہوں نے شاعری کو مکمل طور پر خیر باد نہیں کہا۔ یہ ایک اچھے استاد کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے شاگرد میں چھپا ہوا جوہر تلاش کرے اور پھر اسکی تمام تر توجہ اس نقطے کی طرف مرکوز کر دے جو آگے چل کر اسکی شناخت بن جائے چنانچہ ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی اپنے شاگرد میں پوشیدہ صلاحیتوں کا ادراک کرتے ہوئے انہیں نثر کی طرف راغب کیا۔ اس بات کا اظہار انہوں نے یوں کیا ہے:

> ”آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں میں نے زمانہ طالب علمی میں طاہر کی تنقیدی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے شاعری نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ تا کہ ہمہ تن تنقید اور

تحقیق کے لئے خود کو وقف کر سکے۔ مجھ سے تو کہتا رہا کہ شاعری ترک کر دی ہے مگر چپکے چپکے اور خفیہ طور پر یہ "فعلِ بد" جاری رکھا۔ مجھے تب علم ہوا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا لہذا میں بھی داد دینے والوں میں شامل ہو گیا۔ اب اسکا کلام مقتدر ادبی جرائد میں شائع ہوتا ہے اور مشاعروں میں نہ صرف کلام سناتا ہے بلکہ اسٹیج سیکرٹری کا فریضہ بھی بطریقِ احسن ادا کرتا ہے۔"(۲)

"ڈاکٹر طاہر تونسوی کی شعری تخلیقات ساٹھ کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں ادبی جرائد و رسائل میں چھپنا شروع ہوئیں تاہم ستر کی دہائی میں وہ اپنے شعری نقوش اوراقِ ادب پر ثبت کر چکے تھے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کا شعری مجموعہ "تو طے ہوا نا" ۲۰۰۱ء میں منظر عام پر آیا۔"(۳)

ڈاکٹر طاہر تونسوی کا یہ مجموعہ بزمِ علم و فن پاکستان نے شائع کیا۔ اس کا دیدہ زیب سرورق معروف آرٹسٹ زوار حسین نے بنایا۔ اگرچہ یہ مجموعہ تخلیقات کے حوالے سے مختصر ہے لیکن اس کے مشمولات اہمیت کے حامل ہیں۔ توقیت نامہ سے آغاز ہوتا ہے انتساب اور فہرست کے بعد "عرضِ ہنر" کے عنوان سے طاہر تونسوی کی تحریر ہے اس کے بعد "اعتبارِ نغمہ" کے نام سے ڈاکٹر اسلم انصاری کا دیباچہ ہے۔ بعد ازاں "طے شدہ حقیقت" کے عنوان سے شاہد واسطی نے اظہارِ خیال کیا ہے اور طاہر تونسوی کے شخصی، فنی اور فکری گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ محسن نقوی کے بقول:

"ڈاکٹر طاہر تونسوی کم کہتے لیکن اچھا کہتے ہیں۔"(۴)

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کے مجموعہ کلام میں حمد، نعت، سلام کے علاوہ انکی منفرد نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ اس دور میں ہونے والی شاعری کے زیرِ اثر ڈاکٹر طاہر تونسوی نے روایتی مضامین کو بھی اپنی شاعری کی بنیاد بنایا۔ اس دور میں علامہ اقبال کی شاعری نوجوانوں کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ اس کے علاوہ فیض احمد فیض، ساحر لدھیانوی اور احمد ندیم قاسمی انقلاباتِ زمانہ کو شاعری کا موضوع بنا رہے تھے۔ علاوہ ازیں احمد فراز جیسے اہم شعراء ادبی افق پر چھائے ہوئے تھے۔ اس صورتِ حال میں اپنے لیے الگ راہوں اور رنگوں کا انتخاب کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ مگر یہ کام ڈاکٹر طاہر تونسوی اور انکے ہم عصروں نے احسن طریقے سے انجام دیا۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی شاعری کا تفصیلی مطالعہ درج ذیل ہے:

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ۲۰۰۰ء میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر کے دوران انہوں نے جو حمدیہ اور نعتیہ اشعار تخلیق کیے ہیں ان میں حضورؐ سے بے پناہ محبت و عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ان اشعار میں ایک عاشق صادق کی اپنے محبوب کے وصل کیلئے شدید تڑپ نظر آتی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے عشقِ

رسول ؐ میں شاعر پر سرمستی، بے خودی اور خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو گئی ہو اور ظاہری دنیا سے اسکا رابطہ منقطع ہو گیا ہو اور وہ ایک روحانی کیف و سرور کے عالم میں پہنچ گیا ہو ڈاکٹر طاہر تونسوی کے حمدیہ اور نعتیہ کلام میں عشق و محبت کی تمام کیفیات دیکھی جاسکتی ہیں۔ حمد کے عنوان سے لکھی گئی نظم اگرچہ ایک دعائیہ نظم ہے لیکن اس پوری نظم میں ایک عاشق صادق کی محبوب کے پاس جانے سے پہلے کی تیاری اور کیفیت کو دیکھا جا سکتا ہے اور حُبِ رسول ؐ کا یہ عالم ہے کہ عنوان حمد کا ہے اور تمام اشعار محبت رسول ؐ میں گندھے ہوئے ہیں:

کچھ نہیں مانگتا ہوں تجھ سے مرے ربِ جلیل
میری جھولی میں فقط خاکِ مدینہ دے دے
کس طرح بات کروں شاہِ مدینہ سے شہا
حالِ دل مجھ کو سنانے کا قرینہ دے دے
(حمد)(۵)

ایک سچے عاشق کو محبوب کے تصور کے بغیر ایک پل چین نصیب نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت اپنے دل اور ذہن کو اپنے محبوب کے ساتھ وابستہ کیے رکھتا ہے۔ خیالِ یار ایسا مرکز و محور بن جاتا ہے جو اس کی کل کائنات ہوتی ہے۔ اسی لئے شاعر کو مکہ میں رہ کر بھی مدینے کا خیال آتا ہے:

یاد جب مجھ کو ترا نورِ جمال آتا ہے
رہ کے مکے میں مدینے کا خیال آتا ہے
(حمد)(۶)

ہر عاشق کیلئے لمحاتِ وصل حاصلِ متاع کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب یہ متاع اور منزل قریب آجائے تو عاشق کا ایک ایک پل مشکل سے گزرتا ہے اور عاشق کا دل اضطرابی کیفیت میں آجاتا ہے اور محبوب کی قربت اور دیدار کی طرف بڑھتا ہوا ہر قدم عاشق کے دل میں جذبات کا طلاطم اور ذہن میں خیالات کا خزینہ موجزن کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کو ذاتی تجربہ کے روپ میں شاعر نے مکہ سے مدینہ جانے سے پہلے اس طرح تخلیق کیا ہے:

مکے میں ہوں در پیش مدینے کا سفر ہے
حالِ دلِ بیتاب کی آقا کو خبر ہے
چوموں گا وہاں جا کے میں سرکار کی چوکھٹ
یہ میری متاع اور یہی میرا ثمر ہے
(حمد)(۷)

دوئی کا تصور عاشق کے لئے موت کے پروانے سے کم نہیں ہوتا۔ عاشق کی ایک بہت بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ اور اسکا محبوب ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں۔ خیال غیر عاشق کے پاس سے پھٹکے نہ محبوب کے۔ وہ تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کریں۔ محبوب عاشق کو اپنے قدموں میں خود بٹھائے اور جب ایک مرتبہ عاشق محبوب کے قدموں میں بیٹھ جائے تو عاشق کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ یہ جاں فزالمحہ ابدیت کا روپ دھار لے اور اسکی یہ کیفیت دائمی ہو جائے اور کوئے یار میں اُس کی تمام عمر بیت جائے اور دیارِ محبوب اس کا مستقل ٹھکانا ہو اور پھر رُخِ محبوب سے پردہ اُٹھ جائے اور وہ رخِ انور کے دیدار کی روح پرور منزل حاصل کر لے۔ مکہ سے مدینہ پہنچ کر شاعر نے عشقِ رسولؐ میں اسی قسم کے جذبات واحساسات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

آبیٹھا ہوں قدموں میں اے شاہِ دو عالم
اس حال میں رہنے کی دعا دیجیے مولا
بھاتی ہیں مرے دل کو مدینے کی فضائیں
خواہش ہے یہیں مجھ کو بسا دیجیے مولا
تسکین نہیں ہوتی کہ نہ جب تک تمہیں دیکھوں
دیدار رخِ پاک کرا دیجیے مولا
(حمد)(۸)

کیفیاتِ عشق و محبت میں فراق و جدائی کے لمحات عاشق کیلئے عذاب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس کیفیت میں ایک سچا عاشق ماہی بے آب کی کیفیت میں آجاتا ہے۔ غم ویاس کی یہ کیفیت اس کیلئے آہ وفغاں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اُس کے قلب و روح پر مایوسی اور ملال کے سائے منڈلانے لگتے ہیں اور بات آہوں اور سسکیوں تک پہنچ جاتی ہے۔ بے قرار اور داغدار دل کو کہیں چین نصیب نہیں ہوتا۔ اور فراق وجدائی کے لمحات میں ایک عاشق کا واحد سہارا "یاد" ہی ہوتی ہے جو اس کیلئے سرمایۂ حیات کا کام دیتی ہے اور اس کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم کا کام دیتی ہے۔ محبوب سے جدا ہونے کے منظر میں شاعر نے اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مدینہ سے واپس روانہ ہونے کی کیفیت میں محبت اور جدائی کی کسک کو محسوس کیا جاسکتا ہے:

یثرب سے الوداع کا منظر نہ پوچھیے
کیفیتِ فراقِ پیمبرؐ نہ پوچھیے

رکتے نہیں ہیں آنکھ سے آنسو کسی طرح
در سے ہوا ہوں آج میں بے در نہ پوچھیے
(حمد)(۹)

ڈاکٹر محمد عاشق خان کے بقول:

"ڈاکٹر طاہر تونسوی کی شاعری کا ایک مضبوط حصہ مذہبی جذبات پر مشتمل اشعار اور منظومات ہیں۔ انہوں نے اپنے مجموعہ کلام "تو۔۔۔۔طے ہوا نا" میں حمد اور نعت کے کئی اعلیٰ نمونے فراہم کر کے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے سلسلے میں جذب و محبت سے سرشار ہیں۔ انہوں نے حمدیہ اشعار کی پیش کش میں اپنے مخصوص لہجے کا اظہار بھی کیا ہے۔ حمد کے اشعار میں نعت کے جذبے کی شمولیت ایک ایسا تجربہ ہے جسے نادر کہا جا سکتا ہے۔ اکثر و بیشتر دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ جب فنکار حمد کے اشعار کہہ رہا ہو تو صرف حب الٰہی کا جذبہ پیش ہوتا ہے۔ لیکن طاہر تونسوی کا کمال یہ ہے کہ عشقِ الٰہی میں عشقِ رسولؐ کو بھی سمو دیتے ہیں۔ اور اس طرح خدا اور اسکے رسولؐ کی ذات کے ناگزیر رابطے کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔"(۱۰)

"نبوت کا اسمِ اول" بھی ڈاکٹر طاہر تونسوی کی عظیم نعتیہ نظم ہے۔ یہ نظم آزاد ہئیت میں لکھی گئی ہے۔ آزاد ہئیت میں ہونے کے باوجود اس نظم میں جوش، ترنم اور نغمگی موجود ہے۔ اس نظم میں کمال مہارت سے حضورؐ کی شان اور فضیلت بیان کر کے آپؐ کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ حضورؐ سے عشق و محبت کا اظہار بھی اس نظم کا دوسرا اہم مضمون ہے۔ تیسرا اہم مضمون اس نظم میں حضورؐ کی رضا اور شفاعت کا حصول ہے۔ تیئس مصرعوں کی اس مختصر نظم میں طاہر تونسوی نے اسلامی تعلیمات، اسلامی تاریخ اور تہذیب کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے انسانی تہذیب تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی۔ انسان بنیادی حقوق اور آزادیوں سے محروم تھا۔ جنگل کا قانون تھا۔ نہ کسی کا مال محفوظ تھا، نہ جان نہ عزت اور نہ گھر۔ بھائی بھائی کا دشمن، قبیلہ قبیلے کا دشمن، نہ انصاف، نہ مساوات، نہ بھائی چارہ، نہ رواداری، نہ معاشرت کا کوئی اصول نہ معیشت کا اور نہ سیاست کا نہ مذہب کا، خود پیدا کی ہوئی بیٹیاں زندہ در گور کر کے فخر کے شادیانے بجائے جاتے۔ انسانیت کی اس سے بڑھ کر تذلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ سورج، چاند، ستاروں اور اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز۔ اسی تہذیبی پستی کی طرف شاعر نے یوں اشارہ کیا ہے:

مگر اس کی بعثت سے پہلے
اس انسانیت کا شجر مضمحل تھا[۱۱]

ایسے میں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی جو وجۂ تخلیقِ کائنات تھا۔ جو عرشِ بریں پر ماہِ تاباں تھا۔ تعریف کیا گیا تھا، رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا، قرآن مقدس کی تفسیر کل تھا۔ نبوت کا اسمِ اول تھا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے آپ ﷺ کے انقلاب آفریں پیغام سے وہی تہذیب عظمت کی بلندیوں کو چھونے لگی۔ یہ مضمون ڈاکٹر طاہر تونسوی نے قرآن پاک سے اخذ کیا ہے۔ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا۔ وداعیا
الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔(۱۲)

ترجمہ: ”اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے

شاعر کا اندازِ عقیدت ایمان افروز ہے:

وہ عرشِ بریں پر چمکتا ہوا ماہِ تاباں
محمد تھا احمد تھا وہ الہدیٰ تھا
مگر اس کی بعثت سے پہلے
اس انسانیت کا شجر مضمحل تھا
فلک سے جب اترا زمیں پر
کتابِ مبیں کی سراپا وہ تفسیرِ کل تھا
نبوت کا وہ اسمِ اول
فقط اپنی امت کی بخشش کی خاطر
سراپا دعا تھا[۱۳]

اس طرح مومن کے ایمان کی پہلی شرط ہی محبتِ رسول ﷺ ہے۔ اس لئے شاعر آپ ﷺ کی رضا، سفارش اور شفاعت کا عاجزی کے ساتھ طلب گار ہے۔ شاعر آپ ﷺ کو اپنا رہبر و رہنما، آقا و مولا قرار دیتا ہے اور دونوں جہانوں میں کامیابی اور سرخروئی کے لئے فقط آپ ﷺ کی نظرِ کرم کو کافی سمجھتا ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر متاعِ عظیم نہیں ہو سکتی کیونکہ

؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں[۱۴]

نظم کے آخری بند میں شاعر نے حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ وہاں جاکر سبز گنبد کو دیکھے اور اس درِپاک کو بوسہ دے جس در پر آنے کے لئے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں:

مگر میں تو عاجز گنہگار بندہ

ندامت سے سر کو جھکائے

اسی کی شفاعت اسی کی رضا چاہتا ہوں

کہ وہ میرا مولا

وہی میرا آقا

کرم کی نظر مجھ پہ کر دے

تو کچھ بھی نہیں چاہیے اس جہاں میں

اور پھر اس جہاں میں (۱۵)

نظم "ولایت کا اسمِ اول" میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے حضرت علی سے اپنی قلبی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی عظمت و فضیلت بیان کی ہے۔ اس نظم سے ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تصوف سے دلچسپی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے اس نظم میں ہمارا رشتہ تاریخ اسلام سے جوڑا ہے۔ سلسلۂ ولایت کا آغاز حضرت علی سے ہوا۔ شاعر نے حضرت علی کی خانہ کعبہ میں ولادت کا واقعہ نظم کیا ہے۔ نظم کی پیش کش ڈرامائی ہے اور فضا سسپنس اور استفہامیہ لب و لہجہ سے معمور ہے۔ ولادتِ حضرت علیؑ کے وقت دیوارِ کعبہ میں شگاف ہونا اور ایک ایسے نور کا ظہور ہونا جو اس سے پہلے نہ کسی نے دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ اس پر زمین و آسمان اور کل کائنات کو حیرت میں غلطاں دکھا کر زمین و آسمان کو ہم کلام کرا کے خوبصورت فضا پیدا کی گئی۔

حضرت علی کو "نورِ رب"، "نبی آخر کی نسلِ اطہر کا پاسباں"، "ولایت کا اسمِ اول" اور خلعتِ علی کے نور کی تقدیم کو بیان کر کے آپ کی شان و عظمت کے سربستہ راز کو آشکار کرنے کا شرف حاصل کیا گیا ہے۔ کیا خوبصوررت پیش کش ہے:

زمیں الگ شک میں مبتلا تھی

فلک بھی چپ چاپ دیکھتا تھا

سکوتِ ارض و سما کو آخر

صدائے عرشِ بریں نے توڑا

سنو! سنو! یہ بھی ساکنانِ زمین سن لو
یہ نورِ رب ہے
نبی آخر کے واسطے سے بشر کے پیکر میں ڈھل گیا ہے
تمہاری نظروں سے جو نہاں تھا
وہ آج ہم سب کے درمیاں ہے
نبی آخر کی نسلِ اطہر کا پاسباں ہے
کہا فلک نے زمین سے ہم زبان ہو کر
ہمیں خبر ہے
کہ وہ نبوت کا اسمِ اول
تو یہ ولایت کا اسمِ اول
فقط علی ہے
سوا علی کے کوئی نہیں ہے
علی!
ولایت کا اسمِ اوّل (۱۶)

ڈاکٹر سید قاسم جلال کے بقول:

"ولایت کا اسم اوّل" کے عنوان سے حضرت علی کی شان میں لکھی ہوئی ڈاکٹر تونسوی کی منقبت اپنے اندر عقیدت و رمزیت کا سمندر لیے ہوئے ہے۔"(۱۷)

تاریخِ اسلام میں محرم کا مہینہ ایک عظیم روایت اور استعارہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ کیونکہ یہ مہینہ سبطِ پیغمبر ﷺ حسینؓ ابن علیؓ کے جذبۂ شوقِ شہادت کی گواہی دیتا ہے جس کے تحت امام عالی مقام نے دینِ حق کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اپنے بچوں، بھتیجوں، بھائی اور جانثاروں کو قربان کر دیا اور خود نوکِ نیزہ پر تلاوت کا شرفِ عظیم حاصل کیا۔ ظلم و جبر کی باطل قوتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس طرح عزم و ہمت اور جرأت و بہادری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو سرفروشانِ مذہب و ملت کے لئے ایک عظیم تحرک کا سرچشمہ اور مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس طرح محرم کا مہینہ ایک طرف اہلِ اسلام کے لئے خانوادۂ رسول ﷺ کی جرأت و بہادری کی یاد دلاتا ہے تو دوسری طرف اس سانحہ عظیم میں شہید ہونے والوں کے غم میں رلاتا ہے اور نہ صرف

خاندانِ نبوتؐ سے محبت و ہمدردی پیدا کرتا ہے بلکہ ہر دور کے ظالم کی مخالفت اور مظلوم سے محبت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ طاہر تونسوی کی نظم "اسے کہنا محرم آگیا ہے" اسی پس منظر میں لکھی گئی ہے یہ نظم بھی ہمارا رشتہ تاریخ و تہذیب سے جوڑتی ہے۔ دھیمے لہجے میں لکھی گئی اس نظم میں شاعر نے امام حسینؑ اور خاندانِ نبوتؐ کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

اسے کہنا محرم آگیا ہے
محرم جو روایت ہے نبی کے خانوادے کی شجاعت کی
محرم جو شہادت ہے حسین ابنِ علی کے جذبۂ شوقِ شہادت کی
محرم جو گواہی ہے خدا کی راہ میں گھر کو لُٹانے کی
محرم جو گواہی ہے نبی کے دینِ برحق کو بچانے کی
محرم جو گواہی ہے سرِ نیزہ تلاوت کی
محرم جو منادی ہے خطابت کی نجابت کی (۱۸)

سانحہ کربلا تاریخ عالم کا ایک ایسا غمناک واقعہ ہے جسے پڑھ کر ایک طرف انسان کا دل دہل جاتا ہے اور اس کا اپنے اوپر ضبط رکھنا محال ہو جاتا ہے تو دوسری طرف انسان میں صبر و استقامت اور جرأت و بہادری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے تحت انسان بلند نصب العین کی خاطر اپنا گھر، مال، دولت، عزیز و اقارب، جان بلکہ ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح واقعہ کربلا ایک ایسا سرچشمۂ شعور و آگہی ہے جس کی تاثیر قیامت تک کم نہیں ہو سکتی۔ نواسۂ رسول ﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھی تین دن کے پیاسے تھے۔ دریائے فرات کے کنارے میدان کربلا میں تشنہ لبی کا ایسا منظر تھا جس کی وجہ سے گھاٹیوں میں اشکوں کا سیلِ رواں جاری تھا۔ دینِ خدا کی حفاظت و بقا کے لیے نواسۂ رسول ﷺ کے کمسن فرزند علی اصغر جامِ شہادت نوش کر گئے۔ آپ کے جواں سال فرزند علی اکبر کے سینے میں برچھی لگ چکی تھی پھر بھی حسینؑ کے حوصلوں میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ یزیدی افواج پر ایک خوف چھایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی نظم "سلام" اسی طرح کا ماحول لیے ہوئے ہے جس میں انہوں نے سانحہ کربلا اور شامِ غریباں کا منظر نظم کر کے خاندانِ نبوت ﷺ کو ہدیۂ سلام و خراجِ عقیدت پیش کیا ہے واقعہ کربلا میں امامِ عالی مقام اور ان کے جاں نثاروں کی شہادت کے بعد جو شامِ غم خاندانِ نبوتؐ کی مستورات پر آئی اور حضرت سجاد اور حضرت زینب کو مستورات کے ساتھ جب دربارِ یزید میں شام کی گلیوں میں سے گزار کر لے جایا گیا تو یہ خاندان نبوت کے لئے قیامت کی گھڑی تھی۔

مصیبت کی اس المناک گھڑی میں بھی بیبیوں کا حوصلہ اور ضبط تاریخِ انسانیت میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ شامِ غم کا منظر شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

ارض و سما کے پاس کہاں ایسی جرأتیں
وہ صبر بے مثال کہ خیمہ زنوں میں تھا
خیمے بھی جل گئے تھے ردائیں بھی چھن گئیں
اب بیبیوں پہ وقت کڑا راستوں میں تھا
سجاد سوگوار کے ہاتھوں میں تھی مہار
کچھ بیڑیوں کا شور انہی دائروں میں تھا
اس سانحہ پہ رو پڑے طاہر یہ آسماں
عالم جو ضبط گریہ کا ان بیبیوں میں تھا(۱۹)

اپنی دوسری نظموں کی طرح اس نظم میں بھی ڈاکٹر طاہر تونسوی نے تاریخی شعور دینے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی تہذیب کے فروغ کا کام کیا ہے "یزیدانِ وقت پر خوف کا چھایا ہونا" ایک منفرد مضمون ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کے نعتیہ کلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک طرف تو حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کے جذبات ملتے ہیں تو دوسری طرف اس میں اسلامی تہذیب و تاریخ کا شعور موجود ہوتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی نظم "نعت" فصاحت و بلاغت کی ایک بڑی مثال ہے جس میں عرب تہذیب پر اسلام کے مثبت اثرات کو ایمائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب تہذیب ظلمت اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایک ایسا پر خطر اور پر خار دور تھا جس میں انسانیت رسوا تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نظام تھا۔(۲۰) قبائلی عصبیت و نفرت کی بنا پر معاشرہ فسادات میں الجھا ہوا تھا۔ نہ مذہب، نہ معاشرت، نہ تہذیب و شائستگی۔ ہر طرف وحشت و بربریت۔ اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں سے زندہ در گور۔ نہ اعلیٰ فکر، نہ ارفع سوچ، نہ تہذیبی شعور، نہ عدل، نہ اخوت، نہ رواداری، نہ مساوات، کمزور کا کچھ محفوظ نہیں ایسے پس منظر میں جب پیش منظر پر نورِ محمد ﷺ جلوہ فگن ہوا تو "مہر و محبت کے کنول کھلنے لگے" ایک دوسرے کی جان کے دشمن بھائی بھائی بن گئے۔ بھائی بھی ایسے کہ اپنا سب کچھ دوسرے بھائی پر نثار کرنے کو تیار ہو گئے۔ پھر انسان نے "زندہ رہنے کا قرینہ سیکھا" تہذیب سیکھی، معاشرت سیکھی، معیشت سیکھی، سیاست سیکھی، جہاد سیکھا، وقار سے زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھا۔ مادی طاقت پر "الفاظ اور طرزِ تکلم" نے غلبہ حاصل

کرلیا۔لوگوں نے دلیل سیکھی، فکر سیکھا، احساس سیکھا، شعور سیکھا، مذاکرات سیکھے، دین کا کام اس محبت سے شروع ہوا کہ چار دانگ عالم میں "حق و صداقت" (اسلامی تعلیمات) کی آواز سنائی دینے لگی اور لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ "تو فکر و احساس کی دنیا پر تبسم آ گیا"۔ شاعر کا انداز پر اثر اور خوبصورت ہے:

ظلمتِ شب پہ ہوا نور کا جب رد عمل
خاکِ یثرب پہ کھلے مہر و محبت کے کنول
آپ آئے تو اس انسان نے جینا سیکھا
دورِ پُر خار میں رہنے کا قرینا سیکھا
لفظ زندہ ہوئے اور طرزِ تکلم آیا
فکر و احساس کی دنیا پہ تبسم آیا
ریگِ صحرا سے چلی رشد و ہدایت کی ہوا
چار سو گونج گئی حق و صداقت کی نوا (۲۱)

پھر حق کے سامنے باطل نے مزاحمت کی۔ اہلِ حق کے خلاف وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جو پسپا ہوتی ہوئی باطل قوتوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ اہلِ حق پر ظلم و جبر، مقاطعہ، ہجرت، غزوات اور پھر بالآخر جب "دستِ تنویر" نے "اندھیرے کی لکیر کو کاٹ دیا" یعنی حق و باطل کے سب سے بڑے معرکۂ فتح مکہ میں حق کو نصرت ہوئی اور باطل کو رسوا ہونا پڑا تو آپ ﷺ کو عرب میں سیاسی قوت اور غلبہ حاصل ہو گیا۔ اور اس کے زیرِ اثر اہلِ عرب کی سوچ میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔ ان کے زنگ آلودہ دل و دماغ نکھرنے لگے۔ بقول شاعر:

؎جاگ اٹھا صدیوں کا سویا ہوا انساں کا ضمیر (۲۲)

اور اسلام کی فکر اور نظمِ محمد ﷺ نے وہ رفعت بخشی کہ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا اور دنیا کی ایک غالب قوت کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو خدا تعالیٰ نے وہ رفعت و عظمت عطا کی کہ اس دنیا میں بھی آپ ﷺ کو معراج انسانیت پر پہنچایا اور معراج کی شب بھی اپنے پاس بلایا اور آپ ﷺ کو سارے جہاں اور کون و مکاں کا مولا بنایا۔ شاعر نے اس پورے منظر کو یوں نظم کیا ہے:

دستِ تنویر نے جب کاٹی اندھیرے کی لکیر
جاگ اٹھا صدیوں کا سویا ہوا انساں کا ضمیر

قاصدِ رب کی رسائی بھی نہیں ہے کہ جہاں
شبِ معراج بلایا گیا انساں کو وہاں (۲۳)

اس نظم میں شاعر نے فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھاتے ہوئے کئی نادر تراکیب استعمال کی ہیں۔ ”ظلمتِ شب“ اور ”دورِ پُر خار“ سے اسلام سے پہلے عربوں کے حالاتِ زندگی کی طرف اشارہ ہے جو الفاظ کا بر محل استعمال ہے۔ اسی طرح ”ریگِ صحرا“ ”دستِ تنویر“ ”قاصدِ رب“ خوبصورت تراکیب ہیں جو اپنے اندر معانی کا سمندر لئے ہوئے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اور ان کا علمی مقام و مرتبہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے روح پرور کلام سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی بالخصوص اور عالم اسلام کی بالعموم جو گراں قدر خدمت کی ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو خودی، خودداری، عزم و ہمت، محبت و اخوت اور آزادیٔ فکر و عمل کا درس دیا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اقبال کے عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کے پیغام پر عمل پیرا ہو کر غلامی کی زنجیریں توڑیں اور ایک آزاد وطن حاصل کیا۔ علامہ اقبال کے علم و دانش اور فلسفیانہ تصورات نہ صرف مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں بلکہ انہوں نے ”چاندنی کے کنول اگا کر تیرگی کے جس طلسم کو توڑا ہے“ اس سے پوری انسانیت فیض یاب ہوئی ہے۔ اس طرح اقبال نے امتِ مسلمہ ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی مسیحائی کا فریضہ سر انجام دیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی آزاد بحر میں لکھی گئی نظم ”روحِ آدم کا مسیحا“ اسی پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ جس میں ایک طرف انہوں نے اقبال کی علم و حکمت اور فلسفیانہ خیالات کا اعتراف کیا ہے تو دوسری طرف ان کے کلام کی اثر انگیزی کو ان کی معروف کتابوں کے حوالے سے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ نظم میں اقبال کے لئے جوش اور عقیدت کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

مجھے خبر ہے
یہ میرے وجدان نے کہا ہے
وہ علم کا بے کراں سمندر
وہ عقل و دانش کا اک شجر ہے
وہ جس کی شاخوں نے فہم و ادراک کو بھی جو
چاندنی کے کنول اگائے ہیں تیرگی میں
طلسم توڑا ہے ظلمتوں کا

نئی سحر کا شعور ابھرا۔۔۔ کہ اس نے
ہر لفظ کے معانی بدل دیے ہیں ش جمال بخشا (۲۴)

نظم کے آخری تین مصرعوں میں اقبال اور غالب کی مماثلت کو خوبصورت انداز میں یوں بیان کیا ہے:

مجھے خبر ہے
کہ روحِ غالب بھٹک رہی تھی خلا کی بے پایاں وسعتوں میں
زمیں پہ اتری تو اس نے اقبال نام پایا (۲۵)

وطن سے محبت کو جزوِ ایمان کہا جاتا ہے۔ انسان جس سرزمین پر آنکھ کھولتا ہے۔ جس سرزمین پر پلتا بڑھتا ہے جس ماحول میں اس کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا گزرتا ہے۔ جس سرزمین کی ہواؤں میں وہ سانس لیتا ہے۔ جس کی مٹی میں اس کے اجداد کے اجسام دفن ہوتے ہیں۔ اس سرزمین سے والہانہ انس و محبت ایک فطری عمل ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی اپنے وطن پاکستان سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کی نظم "اے وطن اے مری جان شیریں وطن" میں ان کی اپنے وطن پاکستان سے محبت کا اظہار واضح ہوتا ہے۔ شاعر کو اپنے وطن کے شہروں، قصبوں، سروسمن، کوہ و دمن، پگڈنڈیوں، شاہراہوں، جھوکوں، بیلوں، بھنگڑوں، میلوں، ٹھیلوں، ہواؤں اور فضاؤں بلکہ ہر چیز سے پیار و محبت ہے۔ اسی لئے اس پوری نظم میں وطن کے لئے دعا کی گئی ہے:

تیرے شہروں پہ رحمت ہو سایہ فگن
تیرے قصبوں پہ چھائی رہے اک پھبن
پھولے پھلتے رہیں تیرے سروسمن
ہنستا بستا رہے تیرا ہر اک چمن
اے وطن اے مری جان شیریں وطن (۲۶)

اس نظم میں پنجاب کی ثقافت و معاشرت کا رنگ بھی جھلکتا ہے اور اپنے ہم وطنوں سے محبت کا اظہار بھی کیا گیا ہے نظم کے اندر سادگی، ترنم اور نغمگی کی خصوصیات موجود ہیں۔ اس نظم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سرائیکی الفاظ شامل کر کے خوبصورتی پیدا کی گئی ہے۔ نظم میں سرائیکی کا ایک لفظ "شالا" چار مرتبہ آیا ہے۔ یہ دعائیہ کلمہ ہے جس کا مطلب ہے "اللہ کرے"۔ یہ لفظ اس بے ساختگی سے آیا ہے کہ یہ اردو زبان کا لفظ محسوس ہوتا ہے۔ اسی

طرح ایک اور لفظ "جھوکوں" بھی سرائیکی سے شامل کیا گیا ہے۔ ان الفاظ سے طاہر تونسوی کے اسلوب کی انفرادیت اس نظم سے جھلکتی ہے۔ڈاکٹر عاشق خان لکھتے ہیں:

"منظر کشی اور ماحول پیشی میں طاہر تونسوی کی روانی اور لفظوں کی فراوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نظم کے موضوع سے شاعر کو قلبی و ذہنی لگاؤ ہے ۔اس کے علاوہ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسے جذبات کی پیش کش میں، لفظوں کے تصرف کے سلسلے میں پوری دسترس حاصل ہے۔"(۲۷)

آزاد ہئیت میں تخلیق کی گئی ڈاکٹر طاہر تونسوی کی نظم "ندیم صاحب کے لئے ایک نظم" معروف شاعر، افسانہ نگار اور کالم نگار احمد ندیم قاسمی کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے احمد ندیم قاسمی سے اپنے والہانہ محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اور دوسری طرف احمد ندیم قاسمی کی ادبی حیثیت و مقام و مرتبہ کی ثنا خوانی بھی کی ہے۔ انہوں نے احمد ندیم قاسمی کو عظیم شاعر، افسانہ نگار، کالم نویس اور عظیم انسان کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اور اپنے اوپر ان کے احسانات کا تذکرہ بھی کیا ہے:

سکوتِ شہر میں تیری صدا ہی گونجتی ہے
ترے کلام نے موسم نئے دکھائے ہیں
تری غزل کہ مری روح کی طراوت ہے
تری ہی نظم سے میں دل میں تازگی پاؤں
تری کہانی مرے عہد کی کہانی ہے
مرے جہاں کا سب عکس تیرے کالم ہیں
سخنوری کا جو فن ہے تری عطا ہے مجھے
مجھے یہ فخر کہ میں تیرے عہد میں
زندہ وہ یوں کہ تجھ سے بھرم میرا قائم و دائم (۲۸)

اس نظم میں امید کا دامن نہ چھوڑنے اور مصائب و آلام اور مشکلات کے سامنے ڈٹ جانے کا عظیم پیغام بھی موجود ہے جو ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اپنے ممدوح کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

حسن و عشق کی کیفیات میں محبوب کا وصل و قرب عاشق کیلئے زندگی کے اہم ترین اور نایاب لمحات میں سے ہوتا ہے محبوب کے ساتھ گذرا ہوا ہر پل عاشق کے لئے سرمایہ حیات ہوتا ہے۔ وصلِ یار میں محبوب کے بدن کا لمس عاشق کو لطف و سرور کی اُن منزلوں پر لے جاتا ہے جہاں پر عاشق کے دل و جان اور قلب و ذہن پر رومانوی کیفیات کے ایسے نقوش ثبت ہو جاتے ہیں جن کی اہمیت اور تاثیر ابدیت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور یہ پر کیف لمحات ہمیشہ عاشق کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور اگر عاشق اور محبوب وصل کی کیفیات سے محروم ہو جائیں تو گذرے ہوئے لمحاتِ وصل اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں اور عاشق کی یادوں کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی نظم "ایک نظم اس کے لئے" اسی طرح کی رومانوی فضا کی عکاسی کرتی ہے۔ اس میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے کمال فنکارانہ مہارت سے حسنِ محبوب کی جو سراپا نگاری کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر کو محبوب کی چال ہرنیوں جیسی لگتی ہے۔ محبوب کی آواز اس کے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ اس کے پاؤں اطلس و کمخواب کی طرح گداز محسوس ہوتے ہیں۔ اور محبوب کے عشوے، غمزے، ادائیں اور باتیں شاعر کو بے چین کیے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، بحوالہ اعزاز احمد آذر، ڈاکٹر طاہر تونسوی سے گفتگو، شمارہ ۱۵، ۱۹۹۴ء، مطبوعہ اہل قلم، مکتبہ اہل قلم ملتان، ص ۱۷۴

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، بحوالہ صدف سلطانہ، ادبیاتِ اردو کے فروغ میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کا کردار، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے اردو، جامعہ سندھ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۲

۳۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، (انٹرویو) از مقالہ نگار، ملتان، ۲۰ اگست ۲۰۱۷ء، بوقت ۱۰ بجے دن)

۴۔ ایضاً

۵۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو طے ہوا نا، پاکستان، بزم علم و فن، ۲۰۰۱ء، ص ۳۳

۶۔ ایضاً ، ص ۳۵

۷۔ ایضاً، ص ۳۶

۸۔ ایضاً، ص ۳۷، ۳۸

۹۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۰۔ محمد عاشق خان، ڈاکٹر، اردو تنقید کے فروغ میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی خدمات، ص ۵۷، ۵۸

۱۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر تو۔۔۔۔ طے ہوا نا، ص ۴۲

۱۲۔ قرانِ مجید، سورۃ الاحزاب، پارہ ۲۲، آیت ۴۵، ۴۶

۱۳۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو۔۔۔ طے ہوا نا، ص ۴۶

۱۴۔ اقبال، علامہ محمد، بانگ درا، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۶ء، ص ۲۸۳
۱۵۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو۔۔۔طے ہوا نا، ص ۴۲، ۴۳
۱۶۔ ایضاً، ص ۴۸، ۴۹
۱۷۔ قاسم جلال، سید، ڈاکٹر، ڈاکٹر طاہر تونسوی کی شاعری، مشمولہ، طاہر شناسی کا نگار خانہ، مرتبہ ڈاکٹر ثمینہ ندیم، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۴، ص ۱۳۱
۱۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو۔۔۔طے ہوا نا، ص ۵۰
۱۹۔ ایضاً، ص ۵۳
۲۰۔ وارث سرہندی، مرتب جامع الامثال، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، اشاعت اوّل، مارچ ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۸
۲۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو۔۔۔طے ہوا نا، ص ۴۴
۲۲۔ ایضاً، ص ۴۵
۲۳۔ ایضاً
۲۴۔ ایضاً، ص ۵۴
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ ایضاً، ص ۵۶
۲۷۔ عاشق محمد خان، ڈاکٹر، اردو تنقید کے فروغ میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی خدمات، ص ۵۴
۲۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، تو۔۔۔۔طے ہوا نا، ص ۵۹

References in Roman Script:

1. Tahir Taunsvi, Doctor, ba hawala aizaz ahmed azar, doctor tahir taunsvi se guftgu, shumara 15, maktaba e ehl e Qalam, multan, 1994, p,174
2. Saleem Akhter, doctor, ba hawala sadaf sultana, adbiyat e urdu ky firogh mein dr tahir taunsvi ka kirdar, tehqiqi maqala braye MA urdu jameya Sindh, 2000, p102
3. Tahir taunsvi, doctor, (Interview) az maqala nigar, multan, 20 august 2017U, bwqt 10 bajy din
4. Ibid
5. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, bazm e ilm o fun, Pakistan, 2001, p33
6. Ibid, p35
7. Ibid, p36
8. Ibid, p37, 38

9. Ibid, p41
10. Muhammad Ashiq Khan, Doctor, urdu tanqeed k firogh mein doctor tahir taunsvi ki khidmaat, p57,58
11. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p42
12. Quraan majeed, surah al ahzaab, parah22, ayat45,46
13. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p46
14. Iqbal, allama, bang e dara, national book foundation Islamabad, 1996, p283
15. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p42, 43
16. Ibid, p 48, 49
17. Qasim jalal, syed, doctor tahir taunsvi ki shayari, mishmoola tahir shanasi ka karkhana, muratba, dr samina Nadeem, ilm o Irfan publishers, lahore, 2014, p131
18. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p50
19. Ibid, p53
20. Waris sar hindi, muratab jameya al imsal, muqtadra qomi zaban, Islamabad, 1986, p148
21. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p44
22. Ibid, p45
23. Ibid,
24. Ibid, p54
25. Ibid
26. Ibid, p56
27. Muhammad Ashiq Khan, Doctor, urdu tanqeed k firogh mein doctor tahir taunsvi ki khidmaat, p 54
28. Tahir taunsvi, doctor, to tay hua naa, p59